کرتے ہیں، چنانچہ ان کی بکثرت کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئی ہیں، میں نے رازی کو دیکھا ہے، کہ وہ حاوی وغیرہ تصنیفات میں ہندوستان کے لوگوں کی کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں۔

ابن ندیم لکھتا ہے[1]:- علمائے ہند میں سے جن کی فنِ طب اور نجوم سے متعلق کتابیں ہمارے یہاں پہونچی ہیں، وہ یہ ہیں:- باکھر، راحہ، صکہ، داھر، آنکو، زنکل، اریکل، جبھر، اندی، جباری۔

مجہول المصنف ہندی کتابیں ایک خاص تعداد ایسی کتابوں کی بھی ہے جن کے مصنّف غیر معلوم ہیں، صرف کتابوں کے نام ملتے ہیں، وہ بھی عربی نام، جس کی وجہ سے ان کی اصل کا پتہ چلانا دشوار ہے۔

۱- کتاب مختصر للہند فی العقاقیر (ادویہ کے بیان میں ہندیوں کی مختصر کتاب)

۲- کتاب علاجات الحبالی للہند (حاملہ عورتوں کے علاج کی ہندی کتاب)

۳- کتاب اسماء عقاقیر الہند: (ہندوستانی دواؤں کے ناموں کی کتاب) اس کتاب کا ترجمہ کنکا ہندی نے اسحٰق بن سلیمان کے لئے کیا تھا[2]

اسی نام کی ایک کتاب کا ذکر یعقوبی نے کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کتاب میں ہر ہر دوا کے دس دس نام بیان کئے گئے ہیں[3]

۴- کتاب السمومات[4] (زہروں کی کتاب)

۵- کتاب سندھشان: اس کے لفظی معنی "کامیابی کی صورت" ہیں، اس کا مترجم ابن دھن (ابندھن) ہندی ہے[5]

۶- ایک کتاب جس میں ہندی اور رومی طبیبوں کے درمیان دواؤں کے سرد و گرم، دواؤں کی قوتوں اور سال کی تقسیم میں اختلاف کا بیان ہے[6]

۷- کتاب استانکر الجامع - اس میں استانکر بظاہر مصنف کا نام معلوم ہوتا ہے اور "جامع" کتاب کا۔ اس کا مترجم بھی ابن دھن ہے[7]

---

[1] فہرست (ص ۳۷۸) [2] ایضاً (ص ۴۳۵) [3] تاریخ یعقوبی (۹۴/۱) [4] فہرست ابن ندیم (ص ۴۵۴)
[5] ایضاً (ص ۴۳۵) تاریخ یعقوبی (۹۴/۱) [6] یعقوبی (۹۴/۱) [7] فہرست ابن ندیم (ص ۴۳۵)

۸- کتاب السکر[۱] (نشہ کے بیان میں کتاب)

۹- کتاب فی علامات الادواء و معرفۃ علاجہا: امراض کی علامات اور ان کے علاج کی جانکاری کے بیان میں کتاب، اس کا ترجمہ یحییٰ بن خالد نے کرایا تھا۔[۲]

۱۰- کتاب فی معرفۃ العلل والادواء والعلاجات (بیماریوں، امراض اور علاجوں کی جانکاری کے بیان میں کتاب)

علم طب کی یہ ایک مہتم بالشان کتاب ہے جو راجہ کورش کے زمانے میں لکھی گئی، اس میں جڑی بوٹیوں کی تصویریں بناکر دکھائی گئی ہیں[۳]

میرا خیال ہے کہ موخر الذکر دونوں کتابیں ایک ہی ہیں اس لئے کہ دونوں کے ناموں میں معنی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔

۱۱- کتاب اطری المشروبات[۴] (اطری کتاب مشروبات کے بارے میں)

ابن ندیم نے اس کتاب کا ذکر اسماء خرافات کے عنوان کے تحت کیا ہے، لیکن بظاہر یہ طب کی کتاب معلوم ہوتی ہے، اس میں اطری کسی وید کا نام ہے، بیرونی نے یہ نام 'اطری' لکھا ہے۔

بیطرہ

اس فن پر شاناق ہندی (چانکیہ) کی ایک کتاب کا عربی میں ترجمہ ہوا ہے۔ (باقی)

---

[۱] فہرست ابن ندیم۔ [۲] تاریخ التمدن الاسلامی (۳/۱۷۷) [۳] مسعودی: مروج الذہب (۱/۶۷)

[۴] ابن ندیم: الفہرست (ص ۴۳۹) [۵] خوارزمی الکاتب: مفاتیح العلوم (ص ۱۸۶)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط

مرتبہ و مترجمہ
ڈاکٹر خورشید احمد فارق صاحب

شروع میں حضرت صدیقؓ کے حالات کے متعلق ایک بصیرت افروز تعارف، پھر خطوط کا ترجمہ اور آخر میں عربی کے اصل مکتوبات، صفحات ۲۰۶، بڑی تقطیع، قیمت -/۴ مجلد -/۵

ملنے کا پتہ:- مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶

رُوح کا سراغ

(نظامِ جسمانی کے سائینٹفک تجزیہ کی شعاعوں میں)

جناب شمس نوید عثمانی

انسانی آنکھ نے جب شعور کی آغوش سے گردوپیش پر پہلی نگاہ ڈال کر دیکھا تو کائنات اس کو ایک ایسا "طلسم زار" محسوس ہوئی جس کی لامتناہی وسعتوں نے انسانی وجود کو چاروں طرف سے محصور کر رکھا ہو؟ انسانی نظر کائنات کی ناپیدا کنار درازیوں اور اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتی اُبھرتی ہوئی جب خود یہاں خانۂ وجود کے اندر پہونچی تو پہلے ہی قدم پر یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ انسانی وجود خود بھی ایک اتنا ہی پیچیدہ راز ہے! لاینحل! بالکل کائنات کی طرح! ——— جیسے لامحدود اور پُراسرار کائنات ایک چھوٹی سی تصویر میں اُتر آئی ہو! ایک طول طویل کہانی کا نچوڑ ——— راز در راز!!۔

اب حیات و کائنات کے اسرار و رموز کی طرف تعاقب اور جستجو کے قدم نت نئے زاویوں سے اُٹھنے شروع ہوئے، اور وجودِ انسانی کے راز پر سے نقاب اٹھانے کے لئے اس راز کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے ——— روح اور جسم۔ ایک راز کے دو مختلف ٹکڑے۔ ایک مرئی دوسرا غیر مرئی۔ ایک لطیف (نادیدہ)، دوسرا ٹھوس اور متشکل ۔۔ مکمل راز اب "دو نیم" ہو کر نصف راز ہی رہ گیا تھا۔ مگر پھر اس میں ہر ایک نصف ایک بھرپور، مکمل راز بن گیا، جس کی عقدہ کشائی کی تقاضا طبیعی تڑپ انسانی فکر و نظر کو ہر دوسرے نصف کے مطالعہ کی طرف کشاں کشاں لئے جا رہی تھی، دونوں نصف ایک دوسرے کے غماز اور آئینہ دار ثابت ہوئے اس لئے ایک جزو کو سمجھنے کے لئے دوسرے کا سمجھنا ناگزیر طور پر ضروری ہو گیا۔ کشفِ راز کی یہ بیتاب کوشش ایک ایسی صدائے بازگشت بن کر رہ گئی جو

جسم کی ٹھوس مادّی دیواروں سے ٹکرا کر خود بخود ۔ آہستہ آہستہ "روح" کے نہاں خانوں تک پہونچی اور پھر وہاں سے خود کائنات کی اتھاہ گہرائیوں اور بیکراں پہنائیوں میں گونجتے گونجتے نجانے کہاں گم ہو کر رہ گئی!۔ جسم کو سمجھنے کے لئے روح کو سمجھنے کی کوشش کرنا پڑی اور یہ کوشش اِس کائنات کو سمجھنے کی ایک مسلسل کوشش بن کر رہ گئی جو جتنی سمجھ میں آتی ہے اس سے کہیں زیادہ سمجھنے کے لئے سامنے آجاتی ہے!۔

حیات کے متعلق نظریئے اور عقیدے | مذہبی فیضان نے انسانی فکر و نظر کی اوّلین آبیاری کی ہے، تلاشِ حقیقت کی طویل شاہراہ کا یہی پہلا سنگِ میل ہے اور یقیناً آخری بھی! ۔ مذہب کے مابعد الطبیعاتی زاویئے سے حیاتِ انسانی کی اصل "روح" ہے، اور جسم ایک زبردست حقیقت ہونے کے باوجود روح کے آلۂ کار کی حیثیت رکھتا ہے اور بس ۔ شاید قدیم ترین تاریک زمانوں کے انسان نے بھی موت کے ذریعہ حیات کا یہی مفہوم سمجھا ہوگا، جب اس نے دیکھا ہوگا کہ ایک چلتا پھرتا جسم موت کی گود میں موجود تو رہتا ہے مگر زندہ نہیں رہتا۔

حیاتِ انسانی کے بارے میں یہ کوئی نظریہ نہیں، ایمان تھا ۔ تشکیک و گمان سے بلند و بالا ۔ یقین و اذعان سے بھرپور ۔ لیکن پھر حسّی ادراکِ حقائق

PHILOSOPHICAL PEVCEPTION
THROUGH THE SENSES

کا عہد شروع ہوا جو غالباً ایک ردِّ عمل تھا روح کے انتہا پسندانہ اثبات اور جسم کی یکسر نفی کا، مادہ پرستی کے اس طریقِ فکر نے مابعد الطبیعات کی لہروں سے کٹ کر مجرّد جسم اور مادّے میں حیات کی معنویت سمیٹ کر رکھ دی۔ اس کے نزدیک زندگی جسم کی مادی فیکٹری کی پیداوار کے سوا اور کچھ بھی نہ تھی ۔ لیکن روح کے انتہا پسندانہ اثبات کی طرح جسم کی مستقل اقدارِ حیات کا یہ نظریہ بھی دوسری انتہا پسندی ہی تھا، اس لئے اس کی عمر کو بھی دوام نہ ملا ۔ بلکہ ان دونوں افراط و تفریط کے ملنے سے ایک نیا اعتدال تخلیق پاتا گیا ۔ جسم کی خالص مادّی تحقیقات آہستہ آہستہ تجاوز و غلو سے نکل کر اس معتدل حقیقت کی طرف بڑھتی گئیں کہ حیات ایک دوہرا، دوگانہ راز ہے ۔ تنہا جسم کو تسلیم کر کے اس دوگانہ راز کے ایک حصّہ میں "مستقل خلاء" قائم رہتا ہے ۔ زندگی کی تعریف میں یہی خلاء، روح کا خلا ہے، صرف روح کو تسلیم کر کے یہ خلا پُر کیا جا سکتا ہے، اس طرح عہدِ حاضر کا مادہ پرستانہ نقطۂ نظر "روح" نہیں تو کم از کم "روح کے خلا" کو تسلیم کر کے حیات کے بارے میں مذہب کے صدیوں پرانے مگر "سدا بہار" ایمان کی سرحدوں کو چھونے لگا ہے۔

آیئے اب ذرا نظامِ جسمانی میں "روح کے خلاء" کے اس مقدس احساس کا تجزیہ حیات کے مادّی تصوّر و تحقیق

کی روشنی میں کیا جائے۔

حواسِ خمسہ اور محسوساتی قوتیں حیات کی سب سے بڑی مادّی مظہر ہیں، لیکن ان سب کا مرکز دماغ کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ زبان کی تین ہزار ذائقہ کی کلیاں (TASLE - BUDS) ہیں اور ہر کلی کا "موصل" (RECEPTOR) دماغ سے وابستہ ہے، کانوں کے ایک لاکھ سماعی خلیئے جو ریڈیو کی طرح ہر آواز کی لہر کو گرفتار کر لیتے ہیں، دماغ ہی کے مرکز سے مربوط ہیں۔ یہی حال آنکھ کے ۳۰ ملین نوری موصلوں کا ہے۔ اور اسی طرح قوتِ لمس کے تیس ہزار حدّتی اور تقریباً ڈھائی لاکھ برودتی موصل دماغی مرکز کو ہر ایک لمس کی اطلاع دیتے ہیں۔

نظامِ جسمانی کے اندر جو ذیلی نظام موجود ہیں ان میں "جلدی نظام" اعصابی نظام اور گردشِ خون کا نظام۔ اور جسم پر جارحانہ جراثیم کے خلاف جوابی اقدام کرنے والا نظام (ANTI - BODIES) خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان سب کا عمل جس منطقی ترتیب اور حسنِ شعور کے ساتھ مسلسل جاری وساری ہے۔ ان سب کا راز دماغِ انسانی کی ہی شعوری کارفرمائیوں میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔

لیکن خود "دماغ" ماہرِ حیاتیات بسوین کے الفاظ میں "کائنات کی سب سے زیادہ عجیب چیزوں میں سے ایک" ہے اور اسی لئے محسوسات و اعصاب کا نظام سمجھ میں آنے کے باوجود ایک رازِ سربستہ ہے جس کو سمجھ لیا جائے راٹ کلف کے الفاظ میں ہم "کائنات کے ایک اعلیٰ معمہ کو سمجھ لینے کے بہت قریب پہونچ جائیں گے" کہ انسان کہلایا جانے والا خلیوں کا ڈھیر کس طرح ایک "انسانی ہستی" بن کر اخلاقی سلوک کرتا ہے؟

تمام جاندار اجسام بے شمار خلیوں کا مجموعہ ہیں، خلیہ نخزمایہ کا حقیر سا حصّہ ہے، نخزمایہ لعاب کی طرح کا ایک مادّہ ہے جو انڈے کی خام سفیدی کی طرح نظر آتا ہے۔ ہر ذی روح اسی مادّے سے بنی ہے، نخزمایہ کا ۷۰ فی صد حصّہ پانی ہوتا ہے اور یہ پانی "امونیائی ترشہ" (AMINO - ACIDE) کے اجزا سے بنا ہے، امونیائی ترشہ نائیٹروجن ہائیڈروجن اور گندھک پر مشتمل ہے، حیات کا مظہر بڑی حد تک کاربن پر ہی منحصر ہے، یہ عنصر دوسرے عناصر سے مل کر ہزاروں اور لاکھوں جواہر پر مشتمل سالمے بناتا ہے، زندہ اجسام ان ہی سالموں سے بنے ہیں: یہ خصوصیت دوسرے عناصر میں نہیں، کاربن کے جوہر کے مرکز سے چاروں طرف جوہر کے منفی برقیرے گردش کرتے ہیں۔ گویا اس میں جوہر گیارہ برقیروں پر مشتمل ہوتا ہے اور ہر برقیرہ منفی و مثبت برقی توت کا حامل ہوتا ہے۔ ہر برقی رو نوری شعاعو

کا ایک سلسلہ ہے۔ نور کی شعاعیں نور کے گولوں یا ذرّوں کی اکائیاں ہیں۔ جو بیک وقت ذرّے بھی ہیں' اور لہریں بھی۔ کبھی عدم کی شکل اور کبھی وجود کا رُوپ دھار لیتے ہیں، وجود، عدم، امکان، فنا اور بقا ان شعاعوں ہی کی بہروپی شکلیں ہیں۔

پھر امونیائی ترشہ کی کون سی ترکیب ذی روح اور غیر ذی روح اشیاء کے درمیان حدِ فاصل قائم کرتی ہے؟ یہ راز کوئی نہ سمجھ سکا! ۔ کوئی شخص آج تک سائنس کی قوت سے وہ تخمِ مایہ نہ تیار کر سکا جس کے عناصرِ ترکیبی معلوم ہیں، حیات کے ان پُر اسرار رموز اور تعاملات سے عاجز آکر ملکین نے ان کی وجہ کائناتی شعاعوں کو بتایا۔ مگر خود کائناتی شعاعیں کیا ہیں اور کہاں سے آتی ہیں؟ ۔ یہ اپنی جگہ ایک مستقل اور لاینحل راز ہے۔ پھر یہی کائناتی شعاعوں اور توانائی کا انکشاف ہے جس کے ذریعہ مادّہ اپنی مستقل قدر و قیمت کھو چکا ہے، جدید سائنس کی رائے میں مادّہ خود توانائی (ENERGY) کی کثیف ترین شکل ہے، توانائی اس کا پیدا کردہ نتیجہ ہیں، یہی "توانائی" وہ شے ہے جس کی محصور لہروں (BOTTLED UP WAVES) کو مادہ اور آزاد لہروں کو روشنی اور نور کہتے ہیں، اور اس کے بعد یہی وہ نور ہے جو کائناتی شعاعوں کی آخری بھول بھلیاں میں مادّی "حدِ نظر" کو گم کر دیتا ہے۔

آئن سٹائین کے "نظریۂ اضافیت" نے مادہ کا غیر حقیقی ہونا اور زیادہ عیاں کر دیا ہے، اس کے نزدیک مادّہ کوئی ٹھوس، جامد وجود نہیں رکھتا، بلکہ وہ چند "مربوط حوادث" (JNTERRELSTED EVENTS) اور "منجمد خیالات" (CONDENSED THOUGHTS) کا مجموعہ ہے جس کی اصل توانائی اور حرکت ہے۔

حیات و کائنات کے متعلق جدید سائنس کے نقطۂ نظر کا خلاصہ یہ نکلا کہ حیات کا مظہر تو مادّہ یعنی جسم ہے مگر اس کی اصل مادہ یا جسم نہیں، کیوں کہ بقول آئن اسٹائن اس کی اصل "توانائی اور حرکت" ہے۔ پھر خود توانائی اور حرکت کے آخری پس منظر میں کائناتی شعاعوں کی عجیب و غریب پہیلی رقصاں ہے! ۔ درحقیقت نظامِ جسمانی کی حیرت ناک تکمیل اور ترتیب کو سمجھنے کے لئے یہی وہ لاینحل سوال وہ "خلاء" ہے جس کو ہم "روح کے خلاء" سے تعبیر کرنے پر مجبور ہیں، اس خلاء کو پُر کرنے کے لئے کبھی دماغ، کبھی شعور، کبھی تحت الشعور، کبھی توانائی و حرکت اور کبھی کائناتی شعاعوں سے کام لیا جا سکتا ہے لیکن غور کیجئے تو اب علم و آگہی کے موجودہ سیاق و سباق میں

ان میں سے ہر لفظ ٹھیک ایسی ہی ایک "پہیلی" ثابت ہو رہا ہے جیسی کہ خود "روح" - ان تمام الفاظ کی حقیقی معنویت عقل و ادراک اور علم و آگہی سے پرے ہے تو پھر زندگی کی اصل کا "روح" نام رکھو یا کوئی اور — اس سے کیا فرق پڑتا ہے اس مسئلہ کی نوعیت پر؟ اس طرح تو گویا سائنس اور مذہب کے درمیان روح کو ماننے نہ ماننے کے سلسلہ میں "نزاعِ لفظی" باقی رہ گیا ہے - اور کم از کم مذہب اور سائنس اس بنیادی حقیقت میں ہم نوا ہو گئے ہیں کہ مادہ اور جسم مادی زندگی کی اصل نہیں -

جسم کے دفاعی نظام میں "روح" کے زندہ شعور کی جھلکیاں ہمارا جسم مرئی خطرات کے مقابلہ میں کہیں زیادہ نادیدہ خطرات کی زد میں بقائے حیات کے لئے معرکہ آرا رہتا ہے، ایک دو نہیں، کروڑوں صحت سوز اور مہلک و موذی جراثیم روزانہ ہی ہمارے جسم پر یلغار کیا کرتے ہیں، یہ حملے زیادہ تر غذا، پانی، تنفّس اور جلدی خراشوں کی راہ سے عمل میں آتے ہیں کچھ جراثیم کی غنیم فوجیں ہمارے حلق، منہ، ناک اور آنتوں میں مستقل پڑاؤ ڈالے رہتی ہیں، ان حملوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نظامِ جسمانی کے پہلے موڑ پر رال اور مختلف لعابوں کے جراثیم کش کیمیائی مادے (PLANKINS و LYSINS, LENKINS, LYSOZYME) اور جلد کا زہر آلود لمس تیار رہتا ہے -

"لیزوزیم" اس قدر زہریلا کیمیائی مادہ ہے کہ اس کا چھوٹا سا قطرہ نصف گیلن پانی میں حل کرنے کے بعد بھی جراثیم کی ایک نسل کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے - دوسری طرف ہماری جلد کی جرثومہ کش صلاحیت کا یہ حال ہے کہ ننگی ہتھیلی پر جراثیم بیس منٹ کے اندر ختم ہو جاتے ہیں، تیسری طرف ناک کی راہ سے داخل ہونے والے جراثیم کو گذرگاہِ تنفس کی پُر پیچ بھول بھلیاں میں عضلاتی سیّال (MUSCUOUS FLUIDS) گرفتار کرنے کے لئے متحرک ہو جاتے ہیں - اور تکلیف دہ، موذی جراثیم کو چھینک کی راہ سے دھکیل دیتے ہیں، ان کو اپنے ساتھ بہالے جانے کے لئے ناک جاری ہو جاتی ہے، اس کے باوجود جو جراثیم جان بچا کر آگے بڑھ جاتے ہیں، ان کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی، یہ بقیہ جاں بر ہونے والے جراثیم معدہ اور آنتوں کے زبردست دفاعی نظام کی نذر ہو جاتے ہیں، جو جراثیم جلد کے شگافوں اور سوراخوں کی راہ سے جسم میں در آتے ہیں وہ شروع میں ہر بیس منٹ پر دو دو میں تقسیم ہونے لگتے ہیں، پھر سات گھنٹہ میں ان کی تعداد سیکڑوں تک پہونچ جاتی ہے - اور اگلے دن تو وہ ہزارہا ہو جاتے ہیں، حملے کی یہ اطلاع پاتے ہی حیرتناک طور پر جسم کے اندر کوئی طاقت سوزش و آماس کے ساتھ ساتھ مختلف کیمیائی

مادے چھوڑتی ہے جو ہر سمت میں رواں دواں ہو کر قریب ترین خون کی شریانوں میں پہونچتے ہیں۔ وہاں وہ جسم کی کسی "شعور آموز" قوت کے اشاروں پر شریانوں کی دیواروں کو ڈھیلا کرتے ہیں اور خون کے مائیاتی حصہ پلازما کو باہر نکلنے کا راستہ دیتے ہیں، پلازما کے ہمراہ سفید خونی خلیے، (LEUCOCYTES) اور متعدد زہر سوز کیمیائی سیال جسم کے اندر یہاں سے وہاں تک "دشمن" کی ٹوہ لگاتے پھرتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ کون سی مقناطیسی طاقت ایسی ہے جس کے ذریعہ وہ ٹھیک اس مقام پر جا کر رک جاتے ہیں، جہاں جراثیم کا جارحانہ حملہ ہو رہا ہے، پھر کس طرح انتہائی شاطرانہ انداز میں وہ ان جراثیم کو گھیر کر انہیں کھانا شروع کر دیتے ہیں۔

ان سفید خونی خلیوں کی کمک کے لئے نظامِ جسمانی کے دوسرے پُراسرار اجزاء پورے شعور و ہمدردی کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ پلازما کے کچھ مادے جو انجمادِ خون کا کام کرتے ہیں، دوسرے مادوں سے مل کر جراثیم کا محاصرہ کرنے کے لئے جال اور چار دیواریاں قائم کرتے ہیں جن کی نظر آنے والی شکل دُنبل اور دودڑے ہیں۔ کچھ مادے اُٹھتے ہیں اور دورانِ خون کے ذریعہ جسم کے طول و عرض میں خطرے کی گھنٹی بجاتے ہوئے وہاں پہنچتے ہیں جہاں سفید خون کے ان خلیوں کا ذخیرہ محفوظ ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں لاکھوں خون کے سفید خلیے اُسی خطرے کے مقام کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ ادھر گردے کی نلی چونک اُٹھتی ہے اور تازہ بتازہ سفید خونی خلیے ڈھالنا شروع کر دیتی ہے!

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کچھ جراثیم جو ان سفید خلیوں کو دور سے دھکیلنے یا ہلاک کرنے کی قوت رکھتے ہیں، ان خلیوں پر غالب آنے لگتے ہیں تو فی الفور ان سے بڑے خلیئے (MACROPHAGES) خطرے کی جگہ پر پہونچتے ہیں۔ وہ جراثیم کو نیز ان خلیوں کو جو جراثیم نگل چکے ہیں ایک ساتھ ہڑپ کر جاتے ہیں۔ یہ چھوٹے بڑے خلیئے بعد ازاں نظامِ عروق و شریان، لمفی نظام (LYMPHATIC SYSTEM) کے پُر پیچ شریانوں میں داخل ہو کر شریانی لعاب کے ذریعہ ان علاقائی "لمفی غدود" میں پہونچتے ہیں جو تمام جسم کے اندر خطرناک جنگی مورچوں پر واقع ہوئے ہیں، یہ تمام عقود اور غدود پانی چھاننے کی صافی کا کام کرتے ہیں اور جراثیم کو روک لیتے ہیں، یہ لمفی لعاب غدود در غدود ہوتا ہوا آخر کار گردن کے غدود میں آتا ہے جہاں سے وہ دورانِ خون میں داخل ہو جاتا ہے، گردن کے غدود دورانِ خون اور جراثیم کے مابین سدّباب کرنے والا آخری محاذ ہیں۔ اگر وہاں سے کچھ جراثیم زندہ و سلامت

خون میں داخل ہو گئے تو اب گردے کی نلکی، جگر، تلی اور چند چھوٹے اعضاء چھوٹے بڑے سفید خونی خلیوں سے مسلح ہو کر ان جراثیم کو خون سے چھان کر الگ کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

ذرا اس دفاعی نظام کی دلچسپ و پُراسرار کہانی کو سامنے رکھ کر سوچئے کہ آخر وہ کون سی "باشعور طاقت" ہے جو جسم کے اس دفاعی نظام کو اتنی زبردست منطقی ترتیب و معقولیت اور شعوری فنکاریوں کے ساتھ چلائے رکھتی ہے؟۔ دنیا کے تمام شعوری امور میں دماغ کا شعور اس وقت کام کرتا ہے جب اس کی کمک پر علم و آگہی کا ساز و سامان ہو۔ مگر یہ نظامِ جسمانی کا نہاں خانہ جس کی ہمیں کوئی خبر تک نہیں ہوتی، آخر کون سی رہنما، علم و آگہی سے لیس قوّت کے فیضان سے اس شعور و ترتیب کے ساتھ چلا کرتا ہے؟ سائنس آج تک یہ راز سمجھنے سے قاصر ہے کہ کس طرح چھوٹے بڑے "جراثیم دشمن" سفید خونی خلیے جسم کے اندر دوست اور دشمن جراثیم و اجزاء میں تمیز کرتے ہیں؟۔ کس طرح حملہ آور جرثوموں کو چُن چُن کر۔ مزے لے لے کر ہضم کرتے ہیں؟ صرف یہی نہیں کہ ان خلیوں میں اور امراض و جراثیم کے دشمن جسمانی تعاملات میں صرف ایک قسم کا لگا بندھا، مشینی انداز کا شعور پایا جاتا ہے، نہیں! ان میں تو نئی باتیں سیکھنے، سبق حاصل کرنے، تربیت پانے اور اس کا استعمال کرنے تک کی صلاحیت موجود ہے! یہی وہ صلاحیت ہے جس کے ذریعہ یہ تعاملات اگر مرض اور جراثیم کے پہلے حملہ سے زیر ہو جاتے ہیں تو "دشمن" کا اور اس کے "ہتکنڈوں" کا مطالعہ کر کے اس کے مقابلہ کا نت نیا طرز سیکھ جاتے ہیں اور مرض کے اکثر اعادوں سے ہمارے جسم کا بچاؤ ہوتا ہی اسی کی برکت سے ہے!!۔

اندھے بہرے خون کے خلیئے، کیمیائی مادّے اور لعاب ہماری ظاہری غیر شعوری حالت میں جس شعور جس صلاحیت۔ جس تربیت یافتگی اور جس حسن و خوبی کے ساتھ کارفرما ہیں وہ سب غمّاز ہیں اس بات کے کہ اس مادی جسم کی گہرائیوں میں وہ پُراسرار قوت رُوپوش ہے جس کو سائنس شعور، جبلّت، توانائی وغیرہ الفاظ کی آڑ لے کر "روح" کو تسلیم کرنے سے خواہ مخواہ ہچکچا رہی ہے!۔

جذبات و خیالات کا اثر نظامِ جسمانی پر

جذبات و خیالات ہرگز کوئی مادّی چیز نہیں وہ تو بسیط اور مجرد قسم کی چیزیں ہیں، یہ غیر مادی لہریں اس مادی جسم میں کہاں سے آتی ہیں اور کیسے؟ سائنس کی رائے صحیح ہے کہ جسم کے کچھ غدود پر جذبات و خیالات کے واضح اثرات نظر آتے ہیں مگر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ جذبات اور

خیالات کے خالق ہیں یا ان کی کارفرمائیوں کے محض مظہر؟ آخر چہرے پر بھی تو غم اور خوشی کے اثرات دیکھے جاتے ہیں، تو کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ چہرہ خوشی اور غم پیدا کرتا ہے؟ ظاہر ہے خوشی اور غم کی کچھ کیفیات چہرے پر اثر انداز ہوتی ہیں، ٹھیک اسی طرح کیا یہ عین ممکن نہیں کہ اندرونی مخصوص غدود پر بھی محض جذبات وخیالات کی پرچھائیاں ظاہر ہوتی ہوں اور ان کی تخلیق کا سرچشمہ زندگی کے نہاں خانے میں کوئی اور شے ہو؟ جذبات وخیالات اور غدود میں غیر مادی اور مادی ہونے کا تضاد ہے، اس لئے عین قرینِ قیاس ہے یہ بات کہ جذبات وخیالات کسی غیر مادی قوت کی پیداوار ہوں نہ کہ نظر آنے والے ٹھوس غدود کی تخلیق۔ اس لئے حقیقت یہ ہے کہ کوئی یقین کے ساتھ ان کے متعلق نہیں کہہ سکتا کہ ان کا سرچشمۂ تخلیق کہاں روپوش ہے؟ - دماغ میں؟ دل میں؟ تحت الشعور میں؟ - یا کہیں اور؟ - جذبات وخیالات کی لہریں اس وقت مادّے کی اصطلاحوں سے کچھ اور بلند وبالا ہو کر پُر اسرار ہو جاتی ہیں۔ جب وہ الفاظ کے پردوں میں چھپ کر ایک انسان سے نکل کر دوسرے انسان کی گردشِ خون پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ جب تعریف ومذمّت کے الفاظ، محبت ونفرت کے فقرے ایک زبان سے نکلتے ہیں تو درمیان میں کسی مادی ذریعۂ انتقال کے بغیر وہ الفاظ وآواز کے ساتھ ساتھ سننے والے کی سماعت میں پہونچتے ہیں اور پھر قلب ودماغ کی گہرائیوں میں ہلچل ڈال دیتے ہیں۔ آپ غور کریں کہ یہ سب کچھ الفاظ وآواز سے پیدا ہونے والی لہروں کا کام نہیں ــ غصہ اور محبت کے الفاظ میں اگر حقیقی جذبہ شامل نہ ہو تو بہترین سے بہترین مصنوعی جذبات کے بل پر یہ الفاظ اور یہ آواز کی لہریں وہ کام نہیں کر پاتیں۔

بظاہر جسم کے مادّی ہیولے اور جذبات وخیالات کی غیر مادّی لہروں کے درمیان کوئی رابطہ نہیں ہونا چاہیئے، مگر سخت حیرتناک ہے یہ امر کہ جذبات وخیالات نظامِ جسمانی کے گوشے گوشے پر اثر انداز ہوتے ہیں، بلکہ کہنا چاہیئے کہ اس نظامِ جسمانی کی حرکت وعمل بڑی حد تک جذبات وخیالات کے رحم وکرم پر ہے، خوف، غصہ، پریشانی، جھنجلاہٹ اور ذہنی تھکان کی جذباتی کیفیات لعابِ ہاضمہ (DIGESTIVE FLUID) پر گہرا اثر کرتی ہیں۔ عام طور پر گہرے جذبات کا زور وشور اعصابی جال کے اس پیچ وتاب کے عمل کو سست کر دیتا ہے جس کے ذریعہ غذا التغذیہ کی نالیوں (ALIMENTARY, TRACK) سے گذرتی ہے، ہاضمہ سست ہو جاتا ہے اور انسان قبض جیسے امراض پر درمرض کا شکار ہو جاتا ہے۔